مطلق العنان اقتدار کے تحت محدود مذہبی مناصب

اوّلین تجربہ ــــ خلافت عباسیہ میں

از جناب نعیم صدیقی صاحب

(۳)

دورِ عباسیہ میں قاضی القضاۃ کے ہاتھ میں صرف دیوانی اور فوجداری عدالتیں ہی نہ تھیں، بلکہ محکمۂ اوقاف، محکمۂ وصایا، پولیس، شکایات، قصاص، احتساب، دار الضرب (ٹکسال) اور بیت المال کے شعبے بھی آہستہ آہستہ اس کے تحت آ گئے۔[۱]

بعد کے ادوار اور دوسری سلطنتوں میں بھی عدلیہ کے ہاتھ میں فصلِ خصومات کے علاوہ مختلف ذمہ داریاں دی جاتی رہیں۔ مثلاً آل بویہ کے قاضی القضاۃ، ابواحمد بن حسین بن موسیٰ علوی کے ذمے معاملات، قضاء کے علاوہ حج، مظالم، نقابت طالبین کے فرائض بھی تھے۔[۲] السبکی کے بقول قاضی تاج الدین کے گرد ۱۵ قسم کے مناسب جلیلہ جمع تھے جس میں قضا کے علاوہ قیدیوں اور قید خانوں کی دیکھ بھال، تدریس، خطابت اور امامتِ جامع وغیرہ بھی شامل تھے۔[۳] مصر کی فاطمی حکومت کے عہد میں داعی الدعاۃ (جو قاضی القضاۃ بھی تھا) کے فرائض میں قضاء کے علاوہ متعدد ذمہ داریاں داخل تھیں۔ وہ قانون اور مذہبی عقائد کے متعلق استفسارات کے جواب دیتا تھا، قرآن کے مشکل مقامات کی تشریح کرتا تھا، "دار العلم" (جس میں یونیورسٹی، لائبریری، ریکارڈ آفس اور دار الامناء کے شعبے جمع تھے) کی صدارت کرتا تھا، ایوانِ کبیر میں اہلِ ایمان مردوں کی مجلس کے

---

[۱] مسلمانوں کا نظمِ مملکت (عربی سے ترجمہ) از پروفیسر حسن ابراہیم حسن۔ ص ۲۱۷

[۲] تاریخ الخلفاء۔ علامہ سیوطی ص ۴۷۲ و مسلمانوں کا نظمِ مملکت (عربی سے ترجمہ) از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ص ۳۳۲

[۳] تاریخ القضاء فی الاسلام۔ از محمد بن محمود بن عرنوس مصری۔ ص ۱۰۶۔

درمیان "مسند تبلیغ" پر بیٹھنا اور عورتوں کی "مجلس الداعی" میں شمولیت کرتا[۱]۔ قاضی ابوالعباس (اسحٰق) کو فاطمی دور میں عدالت کے علاوہ دارالضرب کی نگرانی، معیارات و اوزان کی دیکھ بھال، معاملات میراث کی سربراہی، اور نماز اور جامع مسجد کے انتظامات تفویض کئے گئے تھے[۲]۔ ایران کے صفوی دور میں اگرچہ قضاء کا دائرۂ کار محدود کر دیا گیا تھا، تاہم عدالتی ذمہ داریوں کے علاوہ قرض، میراث، معاملاتِ بیع و شری، اور نکاح و طلاق کے معاملات قاضیوں ہی کے ہاتھ میں تھے[۳]۔ مصری قضاۃ کے سپرد رویت ہلال کا فریضہ بھی کیا گیا[۴]۔

۳:- قاضی القضاۃ کا منصب قائم ہونے سے ایک عظیم تبدیلی محکمۂ عدلیہ میں یہ واقع ہوئی کہ اس سے پہلے قاضیوں کے تقرر و برطرفی کا اختیار سلطان کے تحت گورنروں کو حاصل تھا۔ لیکن اب یہ اختیار قاضی القضاۃ کے ہاتھ میں چلا گیا۔ قاضی کی تقرری یا برطرفی، ان کے کام کی نگرانی اور عوام سے ان کے تعلقات کی دیکھ بھال کی ساری ذمہ داریاں قاضی القضاۃ کے تحت چلی گئیں[۵]۔ اس پہلو سے گویا قاضی القضاۃ کا مرتبہ موجودہ دور کے چیف جسٹس کا سا تھا۔ مثلاً امام ابو یوسف کا مرتبہ۔ تھا کہ عراق، خراسان، شام اور مصر کے شہروں میں امام کے مشورے کے بغیر کسی کا تقرر نہیں ہو سکتا تھا[۶]۔ یہی حیثیت اندلس میں بہ عہد الحکم المرتضیٰ (۱۸۰ھ) یحییٰ بن یحییٰ کثیر اندلسی کو حاصل تھی، اگرچہ انہوں نے منصب

۱- خطط مقریزی۔ ص ۳۹۱، ۴۵۸ THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM - BY: P ۳۸۸

۲- مسلمانوں کا نظمِ مملکت (عربی سے ترجمہ) - از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ص ۳۲۰ -

۳- THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM —— BY: P: ۲۶۴ — ۲۶۵

۴- تاریخ القضاء فی الاسلام —— از محمد بن محمود بن عرنوس مصری۔ ص ۱۱۴ -

۵- تاریخ القضاء فی الاسلام - از محمد بن محمود بن عرنوس مصری۔ ص ۹۵، ۹۶ P: ۲۲۶

HISTORY OF ARABS. —— BY HITLI.

۶- تاریخ القضاء فی الاسلام - از محمد بن محمود بن عرنوس مصری۔ ص ۹۷-۱۲۲

خطط مقریزی ج ۴ جواہر ج ۲ ص ۲۲۱ -

قضا قبول نہیں کیا اور اعزازی حیثیت سے خدمت انجام دی۔ ان کی مرضی ہی سے اندلس کے عمال کا تقرر ہوتا تھا۔ ان کو "عاقلِ اندلس" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا[1]۔

۳:۔ قاضی القضاۃ صرف قاضیٔ اعلیٰ، اور چیف جسٹس ہی نہیں تھا بلکہ وہ وزیر الصاف کا مقام بھی رکھتا تھا۔ چند رائیں ملاحظہ ہوں:۔

"محکمۂ عدلیہ کی مطلق العنان وزارت قاضی ابو یوسف کے حوالے کی گئی تھی[2]"۔۔۔ بالآخر حکومت نے اپنے شعبۂ عدل و انصاف کو بالکلیہ اہلِ علم کے سپرد کر دیا[3]"

۔۔۔ "عباسیوں نے اپنے عہد میں قاضی القضاۃ کا منصب قائم کیا جو عہد جدید کے وزیر عدل و انصاف کے ہم پلہ تھا[4]" "قاضی یحییٰ بن اکثم مامون کے زمانے میں" اس کے قاضی القضاۃ اور وزیر تھے[5]"۔۔۔ "سلطنتِ مامون میں یحییٰ بن اکثم کو وہی رتبہ حاصل ہوا جو ہارون الرشید کے دور میں امام ابو یوسف کو حاصل تھا۔ بلکہ یحییٰ رتبۂ وزارت پر فائز ہوئے جیسے کہ اکثر مؤرخین نے بیان کیا ہے[6]"

۔۔۔ "اسی طرح احمد بن ابی دؤاد کے متعلق کثیر روایات ہیں۔ مثلاً "معتصم اس کے مشورے کے بغیر کوئی اقدام نہ کرتا تھا[7]"

---

[1] تاریخ القضاء فی الاسلام ۔ از محمد بن محمود بن عرنوس مصری ۔ ص ۹۷۔

[2] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی ۔ ص (بحوالہ مقریزی و ابن عبد البر)

• مناقب موفق ج ۲، ص ۲۲۵ ۔ •

[3] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ۔۔۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۳۸۴ ۔

[4] مسلمانوں کا نظمِ مملکت (عربی سے ترجمہ) ۔۔۔ از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ص ۳۱۷ ۔

[5] تاریخ القضاء فی الاسلام ۔۔۔ از محمد بن محمود بن عرنوس ۔ ص ۹۸ ۔

[6] " " " " " " ص ۱۳۲

[7] تاریخ طبری ۔ ج ۷، واقعات ۲۱۸ھ، ص ۲۱۰ • تاریخ القضاء فی الاسلام ۔۔۔ از محمد بن محمود بن عرنوس ۔ ص ۱۴۳، ۱۴۴ ۔

عملاً معاملہ وزارت انصاف ہی تک محدود نہ رہا بلکہ جس قاضی القضاۃ سے فرماں رواؤں کو دینی رہنمائی اور قانونی مشورہ بار بار حاصل کرنا ہوتا تھا اور جسے دربار میں ایک مستقل مسندِ اعزاز حاصل تھی، وہ تمام معاملاتِ سلطنت میں مشیر کی حیثیت اختیار کر گیا۔ مثلاً امام ابویوسف کا مقام یہ تھا کہ "فقد کان مستشار دارالخلافۃ" وہ مرکزِ سلطنت کے مشیر تھے[1]۔ متعدد واقعات ہمارے سامنے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قاضی القضاۃ کا دخل صرف عدلیہ کے معاملات تک ہی محدود نہ تھا۔ قاضی ابودؤاد تو بادشاہت کی ناک کے بال بن گئے تھے۔ ان کا معاملہ صرف قضاء کے دائرے تک محدود نہ تھا بلکہ وہ معتصم کو بیشتر معاملات میں مشورہ دیتے[2]۔ "جعفر المتوکل کی نامزدگی اور بیعت میں جس طرح ابودؤاد پیش پیش تھے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں[3]۔

ان اشارات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ منصب کتنا بڑا منصب تھا۔ اس منصب جلیلہ کی تشکیل اور اسلامی نظامِ قانون و عدالت کی مستحکم تنظیم اقتدار کو اپنی شانِ مطلق العنانی کے باوجود اس لیئے کرنی پڑی کہ معاشرہ کی اسلامی حس کی تسکین ہو سکے۔ جسے حق پسند علماء و فقہا کا گروہ بیدار رکھنے کے لیے برابر کام کر رہا تھا اور اس کے دباؤ سے حکومت کے لیے کوئی چارہ نہ تھا۔

مگر یہ نہ بھولئے کہ یہ منصب بہر حال محدود منصب تھا اور مطلق العنانی کے بحرِ مواج کے درمیان اس کی حیثیت ایک چھوٹے سے جزیرے کی تھی۔ مردانِ حق آئے تو یہ جزیرہ کسی قدر پھیلاؤ اختیار کرتا اور بندگانِ مفاد آجاتے تو یہ سکڑ جاتا اور موجیں اس کے اوپر سے گزرنے لگتیں۔

اربابِ اخلاص باہر رہ کر بھی اور مناصب پر آکر بھی اقتدار پر برابر دباؤ ڈالتے رہے اور اسی کے نتیجے میں عدلیہ کو وسیع تر اختیارات اور داخلی آزادی حاصل ہوئی۔ لیکن اقتدار بھی موقع بہ موقع عدلیہ کی قوت کو گھٹانے کے لیے مختلف تدبیریں کرتا رہا جس میں سے موثر ترین یہ اقدام تھا

---

[1] تاریخ القضاء فی الاسلام — از محمد بن محمود بن عرنوس — ص ۱۲۲ —

[2] " " " " " ص ۱۸۶

[3] تاریخ طبری — ج ۷، ذکر خلافت جعفر المتوکل — ص ۲۴۱، ۲۴۲ —

کہ قانون کی تقسیم کر دی گئی اور سیاسی و دنیوی معاملات اسلامی عدلیہ کے قاضیوں کے ہاتھ سے نکال لیے گئے، یہاں تک بالآخر ان کے پاس صرف نکاح و طلاق اور وراثت و وصایا جیسے معاملات رہ گئے جنہیں آج کل کی اصطلاح میں پرسنل لاء کے زیرِ عنوان رکھا جاتا ہے۔

علماء و فقہاء اور مناصبِ قضاء موروثی بادشاہت کے مطلق العنان اقتدار میں دو ہی گوشے ایسے تھے جن کی وجہ سے معاشرہ کی اسلامیت برقرار تھی۔ ایک تو مساجد میں اقامتِ صلوٰۃ، جمعہ وعیدین، حج وزکوٰۃ اور مواعظ و دروس کا سلسلہ اور دوسرا اسلامی عدلیہ۔ اجتماعی ادارے کی حیثیت سے بہت بڑی اہمیت مؤخر الذکر کو حاصل تھی۔ انہی چیزوں کے بل پر حکومت کی اسلامیت کا بھرم قائم تھا۔ خصوصاً عباسی حکمران اس بھرم کو قائم رکھنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ صاف تر لفظوں میں "بات یہ تھی کہ عباسی فرمانروا اپنے تمام اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے"[۱]۔ خلفائے عباسیہ کا حال یہ تھا کہ "فقد صبغوا دینیۃ ظاھرۃ ونظرالیھم کانھم حماۃ الاسلام" یعنی وہ ظاہری مذہبیت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ان کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ گویا وہ بڑے حامیانِ اسلام ہیں[۲]۔ اسی جذبے سے وہ وقتاً فوقتاً تبلیغِ اسلام اور ملاحدہ و زنادقہ کی سرکوبی کی مہمات چلاتے تھے جن کا عملی نتیجہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کی شکل میں نکلتا رہتا[۳]۔ اسی بنا پر سیاسی قوت کھو دینے پر بھی ان کا روحانی اثر قائم رہتا[۴]۔ ایک مثال لیجئے: سلطان عضد الدولہ کے دور میں (۳۶۷ھ تا ۳۷۲ھ) اگرچہ سارا اقتدار سلطان کے ہاتھ میں تھا اور طائع باللہ کی خلافت بالکل برائے نام تھی۔ مگر عوام پر اس کی اسلامیت کا سکہ چل رہا تھا[۵]۔

۱؎ مسلمانوں کا نظمِ مملکت (عربی سے ترجمہ) ــــ از پروفیسر حسن ابراہیم حسن۔ ص ۳۱۵

۲؎ ضحی الاسلام ــــ از ڈاکٹر احمد امین مصری۔ ج ۱، ص ۴۷۔

۳؎ " " " " " "

۴؎ " " " " " "

۵؎ مسلمانوں کا نظمِ مملکت (عربی سے ترجمہ) ــــ از پروفیسر حسن ابراہیم حسن۔ ص ۹۰۔

حکومت کے دستوری یا سیاسی ہیں تو مصلحت اور حالات کے تقاضوں کے تحت تبدیلی کر لی گئی تھی مگر اسلامی قانون کا قلادہ اتارنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، کیونکہ اسلامی قانون کے ترک کے معنی اسلام سے کلی بغاوت سے کم نہ ہوتے۔ اس بغاوت کے لیے اس عہد کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی تیار نہ ہوتا، کجا کہ فرماں روا۔ درحقیقت ارباب حکومت اسلام کی بہت سی حدود توڑتے ضرور تھے مگر کوئی بھی بالارادہ مکمل بغاوت کرنے کے لیے تیار نہ تھا اور وہ لوگ اپنے مسلمان ہونے کی نفی کسی حال میں نہ کر سکتے تھے۔ پھر معاشرہ اسلامی قانون ہی کے بندھن سے بندھا ہوا تھا۔ اس بندھن کو کھولنا تو درکنار، ذرا سا ڈھیلا کر دینے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوتا کہ ساری ترتیب ختم ہو جاتی اور پھر انتشار کے عالم میں خود حکومت کا تخت کسی طرح ٹک ہی نہ سکتا۔ لیکن اسلامی عدلیہ کے ذریعے قانون شریعت کا اجرا و نفاذ بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ مستند اور عوام کے معتمد علیہ علماء و فقہا اس کے مناصب پر آئیں۔ قاضی عابس جیسے لوگ عدلیہ کو چلاتے تو نہ صرف قانون شریعت مذاق بن جاتا بلکہ عدلیہ کی ساکھ ہی یکسر ماری جاتی اور اس صورت میں حکمرانوں کے متعلق بھی یہ تصور عام ہو جاتا کہ یہ لوگ نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں اسلامی قانون کو کھلونا بنا کر بالآخر اس کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں۔ جس حکومت کو کسی شعبے میں اہل افراد حاصل نہ ہو سکیں اور کام نااہلوں کو سونپا جائے، عوام کی نگاہوں میں اس کا کوئی وزن نہیں رہتا۔ سو پہلے اموی حکمرانوں نے اور ان کے بعد عباسی فرمانرواؤں نے اس امر کے لیے بڑی کوششیں کیں کہ مستند اہل علم، شہرت یافتہ اور بااثر فقہا اور جمہور کی فکری قیادت کرنے والے ائمہ قضاء کے مناصب قبول کریں۔

سب سے پہلے اس معاملے میں یزید کے دور میں حکومت کی توجہ منعطف ہوئی۔ یزید نے اپنے دامن پر امام حسینؓ کی تحریک کو کچل کر جو انمٹ دھبہ لگا لیا تھا، اس کی وجہ سے اقتدار اور علم کے درمیان خلیج حائل ہو گئی تھی۔ حکومت علمائے حق کے تعاون سے محروم ہو گئی۔ ممتاز اہل علم کا حکومت سے باہر رہنا جہاں اسے عوام کی نگاہوں میں بے وزن بناتا تھا وہاں یہ

اندیشہ بھی تھا کہ علماء صفِ اختلاف میں رہ کر سیاسی خطرہ بنتے رہیں گے۔ پس جب کوفہ جیسے سازشی مرکز میں ابن ہبیرہ کو گورنر مقرر کیا گیا تو اسی وقت یہ پالیسی طے پائی کہ حکومت کو مضبوط بنانے کے لیے دینی شخصیتوں کو اس میں شریک کیا جائے۔ اسی پالیسی کے تحت فقہائے عراق میں سے قاضی ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، داؤد بن ہند وغیرہم کو قضا کے عہدے سونپے گئے، اور اسی پالیسی کے تحت حضرت امام ابو حنیفہ کو ہاتھ میں لینے کے لیے بڑے جتن کئے گئے، حتیٰ کہ کوڑا حرکت میں آ گیا۔[ا] یہی پالیسی عباسی دور میں بھی برقرار رہی۔ عباسی دور میں اس پالیسی کا دوسرا جزو یہ بھی اختیار کر لیا گیا کہ جو دینی شخصیتیں کسی طرح بھی مناصب کے دام میں نہ آئیں، ان کو عطایا سے نوازنے کی کوششیں کی جاتیں۔ بلکہ بسا اوقات ایک ہاتھ سے کوڑے برسانے کے بعد دوسرے ہاتھ سے اشرفیاں برسائی جاتیں۔ تیغِ جفا کے زخم لگا کر پھر خود ہی سیم و زر کا مرہم عطا رکھا جاتا۔ عباسیوں نے تو امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے انقلابی رجحانات کا بچشم خود مشاہدہ کر لیا تھا، اور بڑے بھاری سیاسی اندیشے ان کے سامنے تھے۔ اس لیے وہ علماء کو مناصب کے سنہری پنجرے میں لینے کے لیے بہت سرگرم رہے۔ ان کے سامنے حسبِ ذیل مقاصد تھے:۔

۱۔ عدلیہ اور قانونی نظام بخیر و خوبی چلتا رہے اور اس کا رنگِ مذہبیت عوام کی نگاہوں میں اعتماد حاصل کر سکے۔

۲۔ ممتاز اور مقبولِ عام علماء کو حکومت کی صفوں میں پا کر جمہور مطمئن رہیں کہ سب اچھا ہے۔

۳۔ علماء دائرۂ اقتدار سے باہر رہ کر اپنے اثر کو سیاسی انقلابات کے لیے استعمال نہ کر سکیں۔

۴۔ ملازمتوں اور دنیوی اعزازات و مفاد کے قلادے ان میں یہ سکت نہ رہنے دیں کہ وہ حکومت کے لیے حزبِ اختلاف ثابت ہوں۔

لیکن علمائے حق دلِ بیدار اور چشمِ بینا کی دولت سے بہرہ مند تھے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ ان کے سامنے کیسا دام بچھ رہا ہے اور اس دام میں کیا دانہ گرایا جا رہا ہے۔ وہ اقتدار کے مقابلے

[ا] عقود الجمان باب ۲۱۔

پر اپنے آزادانہ موقف کو بچانے کے لیے مضبوطی سے کھڑے ہو گئے۔ اور نہ صرف انہوں نے فقر و فاقہ کی بھٹیوں میں تپنا اور دنیوی اعزازات، معاشرتی ترقیات اور معیشت کے کھلم کھلا لیتے ہوئے خوانِ یغما سے محروم رہنا اپنے لیے پسند کیا، بلکہ قید و بند اور تازیانوں کو لبیک کہا۔ ائمہ اکابر ہی نہیں اکثر فقہا اور علمائے قانون نے مناصب سے گریز کی راہ اختیار کی، بلکہ ان کے طفیل ملت کے علماء کی مستقل روایت یہ بن گئی کہ مطلق العنان اقتدار کے تحت وہ سرکاری مناصب پر جانے سے باز رہیں۔ اور ہمیشہ ایسے ہی عزیمت مند رجال کو جمہور مسلمانوں کی نگاہوں میں قدر و قیمت حاصل ہوئی۔ علماء کی اس پالیسی کا عظیم ترین فائدہ یہ ہوا کہ سلطنتِ علم سیاسی فرمانرواؤں کے تصرف سے آزاد رہی اور قرآن کی ہدایت اور نبیؐ کی حکمت بے آمیز شکل میں آگے منتقل ہو سکی۔ ورنہ اگر خدا نخواستہ علماء نے علم دین کو اقتدار کے خراد پر چڑھ جانے دیا ہوتا تو نجانے چھل چھلا کر اس کی کیا گت بنتی اور آج اس کی اصل حقیقت کو پانا ممکن بھی ہوتا یا نہیں۔ دوسری ساری آزادیاں لٹ جانے پر ان حضرات کے دم سے "آزادیٔ علم" محفوظ رہ گئی۔ سرکاری مناصب اور عطایا سے پرہیز کے وجوہ اربابِ حق کے سامنے حسب ذیل تھے:-

۱۔ علمائے حق کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے جو اساسی جذبہ ملا تھا وہ یہ تھا کہ علمِ دین دنیا کمانے اور دنیا بنانے کا آلہ نہیں ہے۔ راست باز ائمہ و فقہا میں ہمیشہ یہ روح کارفرما رہی کہ وہ علم کی مسند پر ورثائے انبیاءؑ بن کر بیٹھیں تو دنیوی مفاد کی ہوس سے پاک ہو کر بیٹھیں ان کے سامنے حضورؐ کے بہت سے ارشادات تھے جن میں سے چند یہ ہیں:-

حضورؐ نے فرمایا:-

"علم (علمِ دین) جس کے ذریعے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے، اسے اگر کسی شخص نے مجرد اس مقصد سے سیکھا کہ اس کے ذریعے دنیوی مفاد حاصل کرے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا"[1]

---

[1] بروایت ابوہریرہؓ ــــ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حضورؐ نے فرمایا :-

"وہ شخص کہ جسکو اس حال میں موت آئے کہ وہ یہ مقصد سامنے رکھ کر حصولِ علم میں لگا ہو کہ اس کے ذریعے احیائے اسلام کرے گا، جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔[1]"

حضورؐ نے فرمایا :-

"اس علم (یعنی علمِ دین) کو ہر نسل کے کچھ راست باز لوگ حاصل کریں گے اور اس کو غالیوں کی تحریفات، باطل پسندوں کی افترا پردازیوں اور جاہلوں کی تاویلات سے چھانٹ کر الگ کریں گے۔[2]"

یہ تھا علمائے حق کا اصولی نقطۂ نظر جس کی وجہ سے انہوں نے علم کی آزاد سلطنت بالکل الگ قائم کی اور بڑے سے بڑے دنیوی مفاد نے اگر ان کے دروازے پر آکر بھی دستک دی تو ان کے عِنا نے اسے دھتکار دیا۔ ان کو یہ پسند نہ تھا کہ وہ دین کی عظیم ترین خدمت میں حرص کی آلائش آنے دیں۔

۲:- دوسری چیز جو ان کے سینوں میں جاگزیں تھی وہ منصب طلبی کے خلاف ایک اصولی جذبۂ اجتناب تھا۔ اسلام کا نظام چلانے کے لیے اگرچہ مناصب کا وجود بھی ناگزیر ہے اور ان مناصب پر بہترین افراد کا آنا بھی ضروری ہے اور اس معاملے میں حد سے بڑھا ہوا بے جا تقشف بھی ناپسندیدہ ہے، لیکن سچے اسلامی معاشرہ میں مناصب کی ہوس کا پایا جانا اور ان کو مقصود بنا کر ان کی طرف لپکنا اور مختلف لوگوں کا ان کے لیے مسابقت کرنا بھی روا نہیں ہے۔ افراد کا کام نہیں کہ وہ مناصب کے درپے ہوں، بلکہ چاہیئے کہ مناصب اپنے لیے موزوں افراد کے پیچھے جا کر دامن گیر ہوں کہ تمہاری خدمات کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں حضورؐ کی جو تعلیم

---

[1] روایت حسن ——— (دارمی)

[2] روایت ابراہیم بن عبد الرحمٰن ——— (بیہقی)

علمائے حق کے سامنے تھی اس میں سے چند کلمات مندرجہ ذیل ہیں :-

حضورؐ نے فرمایا :-

"اے قُدیم (خطاب راوی حدیث حضرت مقدام بن معدیکرب سے ہے) اگر تمہیں اس حال میں موت آئے کہ تم نہ تو امیر بنے ہو، نہ محرّر (سیکرٹری) اور نہ سرپنچ (چوہدری یا نمبردار وغیرہ) تو تم فلاح پا گئے ہو[1]"

حضورؐ نے فرمایا :-

"دس آدمیوں پر امیر (حاکم یا سردار) بننے والا کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو قیامت کے دن اس حال میں نہ لایا جائے کہ اس کے گلے میں طوق پڑا ہو — یہاں تک کہ یا تو اس کا عدل اس طوق سے نجات دلائے یا اس کا جور اسے ہلاکت میں ڈال دے[2]"

قضاۃ کے مناصب کے متعلق خصوصیت سے جو انتباہ دیئے گئے تھے وہ بھی اہلِ علم کے سامنے تھے ملاحظہ ہوں :-

حضورؐ نے فرمایا :-

"جس شخص کو لوگوں کے درمیان قاضی مقرر کیا گیا، وہ گویا چھری کے بغیر ذبح ہوا[3]"

حضورؐ نے فرمایا :-

"قاضی العادل کو تم قیامت کے دن یہ حسرت کرتے ہوئے دیکھو گے کہ کاش کہ اس نے دو شخصوں کے درمیان ایک کھجور کی نزاع کا فیصلہ بھی قطعاً نہ کیا ہوتا[4]"

۳:- تیسرا معاملہ علمائے حق کے سامنے فاسد حکومت اور فاسق حکمرانوں سے تعاون کرنے

---

[1] روایت مقدام بن معدیکرب —— (ابوداؤد)

[2] روایت ابوہریرہؓ —— (دارمی)

[3] " " " —— (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[4] روایت ام المومنین عائشہؓ —— (احمد)

کا تھا۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی ارشادات بہت ہی واضح اور سخت تھے، مثلاً :۔

— حضورؐ نے (ان امراء کا ذکر کرتے ہوئے جو بعد میں آئیں گے اور اچھے اور بُرے کام ملے جلے کریں گے) فرمایا :۔

"جس نے ان لوگوں سے بیزاری کا رویہ اختیار کیا وہ نجات پا گیا، جس نے ان کو ٹوکا وہ سلامت رہا، لیکن جو ان سے راضی ہوا اور ان کے پیچھے چل پڑا .... (وہ نجات اور سلامتی سے محروم رہا)۔[۱] "

— حضورؐ نے (بعد میں آنے والے ان ناخلف لوگوں کے متعلق جو کہیں گے وہ کچھ جس پر عمل نہ کریں گے، اور عمل کریں گے وہ کچھ جس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا) فرمایا :۔

" جس نے ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کیا۔ وہ صاحبِ ایمان ہے، اور (دوسرے درجے پر) جس نے ان کے خلاف زبان سے جہاد کیا، وہ صاحبِ ایمان ہے، اور (تیسرے درجے پر) جس نے ان کے خلاف دل سے جہاد کیا وہ صاحبِ ایمان ہے۔ اس سے نیچے اتر کر رتی بھر ایمان بھی نہیں رہ سکتا۔[۲] "

— حضورؐ نے فرمایا :۔

" جو شخص کسی ظالم قوت یا شخص یا ادارے کے ساتھ معاون بن کر چلا تاکہ اس کے ہاتھ مضبوط کرے، درانحالیکہ وہ جانتا ہو کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے باہر ہو گیا۔[۳] "

— حضورؐ نے فرمایا :۔

جس شخص نے کسی صاحبِ بدعت (یعنی دینِ حق اور نظامِ اسلامی میں نئے نئے شگوفے چھوڑنے والے) کی عزت افزائی کی تو اس نے اسلام کی عمارت ڈھا دینے میں تعاون کیا۔[۴]

---

[۱] روایت ام المومنین ام سلمہؓ (مسلم) [۲] روایت ابن مسعودؓ ——— (مسلم)

[۳] روایت اوس بن شرحبیل ——— (بیہقی) [۴] روایت ابراہیم بن میسرہ ——— (بیہقی)

حضورؐ نے فرمایا:۔

"جو شخص فرمانروا (یا حکومت) تک پہنچا ـــــــ (اور دوسری روایت کے بموجب) جو شخص فرماں روا (یا حکومت) کے ساتھ وابستہ ہوا وہ فتنہ میں پڑگیا۔ اور فرمانروا (یا حکومت) کے قرب میں اضافہ ہونے سے بندے کو سوائے اس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ اللہ سے اتنی ہی دوری بڑھ جاتی ہے۔"[1]

حضورؐ نے اپنی تعلیمات میں بعد کی فاسد حکومتوں کے دور میں آنے والے ایسے علماء کو بھی پیشگی انتباہ دے دیا جو بظاہر بڑے اچھے ارادوں اور منصوبوں کے ساتھ حکومت اور درباروں سے وابستگی اختیار کرنا چاہیں۔ مثلاً، ـــــــ

حضورؐ نے فرمایا:ـــــــ

"میری امت کے کچھ لوگ دین میں علم و فہم حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے۔ پھر وہ کہیں گے کہ ہم حکام کے پاس جاتے ہیں تاکہ ہم ان کے ہاں سے دنیوی مفاد حاصل کریں اور اپنے دین کو ان سے بچالائیں۔ لیکن ایسا ہوگا نہیں، جیسے کہ خاردار درخت سے کانٹوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"[2]

حضورؐ نے فرمایا:ـــــــ

"اگر ایسا ہو کہ اصلِ علم علم کی حفاظت کریں اور اسے صحیح مستحقین تک پہنچائیں۔ (اس کے طالب اور اس پر عمل کرنے والے!) تو وہ اپنے زمانے کے لوگوں کے سردار ٹھہریں، لیکن وہ اسے اربابِ دنیا کے سامنے پیش کریں گے تاکہ اس کے عوض میں ان کے ہاں سے دنیوی مفاد حاصل کریں، سو وہ ان کی نگاہوں میں ذلیل ہو کے رہ جائیں گے۔"

---

[1] روایت مقدام بن معدیکرب ـــــــ (ابو داؤد)

[2] روایت ابن عباس ـــــــ (ابن ماجہ)

فاسد حکومت سے تعاون کرنے میں علماء کو جو انکار تھا وہ انہی تعلیمات کے سبب سے تھا۔ علمائے حق نے حکومت کی پالیسی کے بالمقابل مناصب سے اجتناب کا کڑا رویہ اختیار کیا۔ جیسے کہ ایک بصیرت مند معاصر نے لکھا ہے کہ: "فان العلماء علی ما یظهر کانوا یمتنعون عن ان یتولوا عملاً فی حکومۃ لا یحبونها لئلا یکون تائیدًا لها"[1] یعنی جس حکومت کو وہ غلط اور ناپسندیدہ سمجھتے تھے اس کے مناصب پر آنے سے ان کو اس لیے پرہیز تھا کہ اس طرح اس حکومت کو ان کی تائید حاصل ہو جائے گی۔ اسی اصولی رویے کے مطابق امام ابو حنیفہ نے یہ فرمایا تھا کہ "اگر یزید کہے کہ مسجدوں کے دروازے گن دو تو یہ بھی مجھ کو گوارا نہیں، کجا کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اس پر دستخط کروں"[2]

۴:۔ چوتھا امر یہ بھی علمائے حق کے سامنے تھا کہ اموی دور میں نسبتاً کم، مگر عباسی دور میں نہایت صریح طور پر حکومت عدلیہ میں مداخلت کرتی تھی اور علماء حق اس طرح آلۂ کار بننے پر تیار نہ تھے۔ تاریخ اس حقیقت کو ثابت کرتی ہے کہ:۔

> "اس دور میں عدالت کا محکمہ سیاسی اثر سے آزاد نہ تھا، اس لیے اربابِ زہد و ورع، اہلِ علم اس منصب کو قبول کرنے سے گریز کرتے تھے"[3]

مزید ملاحظہ ہو:۔

> "عباسی عہد کے قاضی خلیفہ کے اثر و اقتدار سے آزاد نہ تھے۔ بات یہ تھی کہ عباسی فرماں روا اپنے تمام اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے، اس غرض کے لیے وہ قاضیوں کو اپنا آلۂ کار بناتے تھے اور قاضی کے انتخاب میں اس کا لحاظ رہتا تھا کہ وہ ان کے رجحانات اور خواہشات سے انحراف تو نہیں کرے گا۔

[1] تاریخ القضاء فی الاسلام ــــ از محمد بن محمود بن عرنوس مصری ۔ ص ۲، ۳، ۴

[2] عقود الجمان ۔ باب ۲۱۔

[3] مسلمانوں کا نظمِ مملکت (عربی سے اردو) ــــ از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ۔ ص ۲۱۹

اس کا اثر تھا کہ بہت سے فقہاء قضا کے منصب سے دامن بچاتے تھے انہیں احساس تھا کہ شریعت اسلامی، ان کے فرائض منصبی اور ضمیر کے خلاف فتوے دینے پر ان کو آمادہ کیا جائے گا۔"[1]

اس معاملے میں مندرجہ بالا احادیث ان کے سامنے تھیں اور حضورؐ کا یہ ارشادِ مبارک بھی ان کے پیشِ نظر تھا کہ:۔

حضورؐ نے (امارۃ السفہا کے دور کے متعلق) فرمایا:۔

"جو لوگ انکے ہاں گھسے، اور ان کے جھوٹ کو انہوں نے سچائی کا جامہ پہنایا اور ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی تو ایسے لوگوں کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ میرا ان سے کوئی تعلق ہے ــــ نیز یہ کہ ایسے لوگ مجھ سے حوض کوثر پہ آکر ملاقات نہ کر سکیں گے۔"[2]

پھر قضا کے متعلق خصوصی ارشاد ان کے سامنے تھا کہ صرف وہ قاضی جنت میں جائے گا کہ عرف الحق فقضیٰ بہ یعنی جس نے حق (یعنی قانونِ اسلامی کے صحیح منشا اور فریقین نزاع کے احوال) کو جانا اور دیانت داری سے اس کے متعلق فیصلہ کیا۔ دوسری طرف وہ شخص جس نے حق کو جانا مگر "فجار فی الحکم" فیصلہ دینے میں ظلم سے کام لیا، وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔[3]

ان چار وجوہ سے علمائے حق اور ائمۂ صلحا نے حکومت کے بچھائے ہوئے دامِ مناصب میں قدم رکھنے سے انکار کر دیا اور دونوں طاقتوں میں بڑی بھاری اور لمبی کشمکش چلی۔ اس کشمکش کی وجہ سے اقتدار پر مسلسل ایسا دباؤ پڑا کہ اس کے ذریعے مطلق العنان اقتدار کے تحت آزادیٔ ضمیر کے ساتھ کام کرنے کی کچھ نہ کچھ راہیں کھلیں۔ علاوہ ازیں دوسری طرف مناصب کے

---

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت (عربی سے اردو) ــــ از پروفیسر حسن ابراہیم حسن - ص ۳۱۵

[2] روایت کعب بن عجرہ ــــ ترمذی و نسائی

[3] روایت بریدہؓ ــــ ابوداؤد و ابن ماجہ۔

اندر سے بھی حق پسند قاضیوں نے عظیم الشان درجے کی لمبی جد و جہد حق اور ضمیر کو بچانے کے لیے جاری رکھی۔

ہم آئندہ قسط میں، واقعاتی مواد سامنے لا کر یہ دکھائیں گے کہ مناصب سے باہر رہ کر اجتناب اور پرہیز کی روش کے تحت اربابِ حق نے کیا کشمکش کی اور پھر ہم اس داخلی کشمکش کی اصل داستان عرض کریں گے جو محدود مناصب پر رہ کر مطلق العنان اقتدار کے خلاف علمائے حق نے جاری رکھی۔ نیز یہ کہ محدود مناصب کی دودھاری تلوار نے علمائے حق اور قضاۃِ امانت دار کے ہاتھوں میں آکر کیا کاٹ دکھائی اور دوسری طرف جب ضمیر کے کمزور اور جاہ پسند اور مفاد پرست لوگ آگے آئے تو پھر اسی تلوار نے مطلق العنان اقتدار کے ہاتھوں میں پہنچ کر کیا عبرت آفریں سماں پیدا کر دیا۔ (باقی)

پاکستان کا منفرد علمی، ادبی، دینی جریدہ

ہفت روزہ **شہاب** لاہور

کوثر نیازی کی ادارت میں

بتاریخ ۱۴ اگست ایک عظیم الشان

خاص نمبر

پیش کر رہا ہے

روح پرور۔ وجد آور۔ انقلاب انگیز ساٹھ صفحات۔ نیا دلکش سرورق۔ قیمت ایک روپیہ سالانہ چندہ (پندرہ روپے) بھجوانے والوں کو نمبر مفت آج ہی براہ راست لکھیں یا اپنی ایجنسی سے پرچے محفوظ کرالیں۔ بھارت میں ترسیلِ زر کا پتہ۔ مکتبہ الحسنات۔ رام پور (یو۔پی)

ہفت روزہ شہاب ــــ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور